

منشور اسلام

جنت کی نعمتیں اور دوزخ کے مصائب صرف استعائے نہیں ہیں

گا۔ اس سلسلے میں اصل اہمیت اس مادی دنیا میں کماے ہوئے اعمال کی ہوگی جس کے اثرات اس کے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں اور جس کی پٹلی باندھ کر وہ اگلی زندگی میں قدم رکھے گا۔ اس ابدی زندگی میں اسے اپنے کسب شدہ اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے۔ یا تو مثبت طور پر وہ اس کے کام آئیں گے یا پھر سخت تکلیف دہ عواقب برداشت کرنا ہوں گے۔ وہاں پر اسے ان تمام لوگوں سے واسطہ پڑے گا جن کے حقوق اس نے اس دنیا میں غصب کیے ہوں گے۔ خود اس کے اعضاء و جوارح کو زبان دے دی جائے گی جو اس کے خلاف شہادت پیش کریں گے۔ اگر دنیا میں اس کے اعمال اس کی فطرت سلیمہ اور خالق کائنات کی مرضیات کے مطابق ہوں گے تو اسے اگلی دنیا میں نہایت خوشگوار لوگوں کی معیت اور نہایت دیدہ زیب اور دلنشین مناظر و اشیاء سے نوازا جائے گا۔ مثلاً باغات، مرغوب کھانے اور لذیذ مشروبات، خوبصورت ساحتی، نہریں اور سایہ دار شجر اشجار وغیرہ۔ اس جنت کی نعمتیں دنیا میں کماے ہوئے اعمال اور اخلاقی جدوجہد کے تناسب سے ہوں گی۔ کسی شخص نے جس درجے میں اپنے خالق حقیقی کی صفت حسن کو اپنے اخلاق و اعمال میں اپنایا ہوگا وہ اسی قدر نعمتوں کا مستحق ہوگا۔ اور آخرت کی زندگی میں بھی اس کی خودی کی بالیدگی اور ترفع کا عمل جاری رہے گا۔

اور اگر اس زندگی میں کسی شخص کے اعمال اس کی فطرت سلیمہ اور خالق کائنات کے احکام

کے خلاف ہوں گے تو اسے اپنے اعمال بد کو انتہائی گریہ سورتوں میں مشکل دیکھنا پڑے گا مثلاً آگ کی لپٹ، انتہائی گندہ اور ناپسندیدہ پانی، ناکارہ اور بد ذائقہ غذا، جسمانی تعذیب، سانپ، بچھو وغیرہ۔ وہ ان سب سے بھاگنے کی کوشش کرے گا لیکن اس کا کچھ بس نہ چل سکے گا۔ اسے موت بھی آکر ان تکالیف سے چھٹکارا نہیں دلا سکے گی۔ چنانچہ جنت اور دوزخ اور ان کی تفصیل صرف خالی استعارے نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی مقامات ہیں جو اگرچہ مشکل ان اعمال کے نتیجے کے طور پر ہوں گے، جو ہم اس دنیوی زندگی میں کرتے ہیں اور جن کے اثرات ہمارے لاشعور میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ یہی اعمال حیات اُردوی میں معروضی کیفیات اور مقامات کا روپ دھار لیں گے جو یا تو انتہائی آرام دہ اور خوش کن ہوں گے یا انتہائی تکلیف دہ اور مضرت بخش۔

تمام یہ حقیقت ہے کہ ایک مومن جس نے دنیا میں تھوڑے بہت نیک کام کیے ہوں گے وہ آخر کار جہنم سے اس کی مٹو خلاصی کا باعث بنیں گے۔ اور اس طرح دوزخ کے مصائب سب سے بڑے بھی اس کی روح کی بالیدگی کا سبب بالآخر وہ اعمال خیر بنیں گے جو اس نے دنیا میں کیے ہوں گے۔ اس نے صحیح نصب العین کے لیے جتنے زیادہ عمل کیے ہوں گے اتنی جلدی اسے جہنم کی آگ سے نجات ملے گی۔ اس طرح یہ اعمال وہ نور بن جائیں گے جو سیاہ کاریوں کے اندھیان کو ختم کر دیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوا ہے :

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۖ (ہود : ۱۱)

”بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹ کر دیتی ہیں۔“

غلط نصب العین سے محبت کرنے والے کا انجام بد

جو شخص پیغمبروں کی ہدایات پر کان نہ دھرتے ہوئے کسی غلط نصب العین کو اختیار کر لیتا ہے اور اس طرح پوری زندگی میں غلط روش پر چلتا ہے، وہ آخرت میں نہایت المناک انجام سے دوچار ہوگا۔ بالخصوص اگر حیات دنیوی کے اختتام یعنی موت کے وقت بھی وہ غلط نظر یا اور عمل پر کاربند ہے تو اس کی روح کی صحیح سمت میں ترقی و بالیدگی کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے :

إِنَّ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تَفْتَحْ
لَهُمْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ
الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝

(الاعراف: ۴۰)

”یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان کے مقابلے میں سرکشی کی ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے اور ہم مجرموں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ (الحج: ۳۱)

اور جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے تو (اس کا حال ایسا ہے کہ) جیسے وہ آسمان

© rasailojaraid.

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ
مَنْ يَشَاءُ ۚ (النار: ۴۸)

اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک گردانا جائے۔ ہاں اس کے سوا (جتنے گناہ ہیں) وہ جس کو چاہے معاف کر دے۔

شرک ایسا گناہ عظیم ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشتا۔ ایک شرک کے لیے یہ کبھی ممکن نہیں ہوتا کہ وہ دوزخ کے عذاب سے نجات حاصل کر سکے۔ چنانچہ اس کی روح ہمیشہ کے لیے اندھیاروں میں ٹھسکتی ہے اور اسے نور یا روشنی کی کوئی رقع کبھی بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ابدالآباد تک اپنے اعمال سے کسب شدہ اندھیرے میں گھری رہتی ہے جس طرح وہ دنیوی زندگی میں اندھیرے اور حجاب میں رہی اسی طرح آخرت میں بھی تیرہ شبی اس کا مقدمہ بنتی ہے :

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَصُوِّفِي الْآخِرَةِ
أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۲)

اور جو اس (دنیا میں) اندھا بنا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور راہ (نجات) سے بالکل بھٹکا ہوا۔

© rasailojaraid.

ایسے شخص نے اپنے تئیں خواہ کسی عمل کو کتنا ہی بھلا اور اچھا سمجھا ہو یا اسے فلاحِ مآ اور انسانیت دوست جذبے کے تحت انجام دیا ہو، حیاتِ آخری میں وہ (ایمان باللہ کے بغیر) کسی کام کا نہ ہوگا۔ چونکہ اس کا مطلع نظریہ نصب العین غلط تھا اس لیے یہ بظاہر اچھے کام بھی اسی غلط نصب العین کی مقصد براری کرتے ہوئے اس کے حقیقی روحانی ترفع میں بالکل مدد نہ ہونگے۔ چونکہ ان تمام افعال کے پس پر وہ اللہ کی رضا جوئی کا جذبہ کارفرمانہ تھا اس لیے آخرت میں قطعاً نتیجہ خیز نہ ہوں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں متعدد بار ارشاد ہوتا ہے:

فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزَنًا (الکہف: ۱۰۵)

سوان کے اعمال اکارت گئے۔ پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو کھڑی ہی نہیں کریں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ مِّمَّنْ بَقِيعَةٍ يَنْحَسِبُهُ
الظَّامَانِ مَاءً ط (النور: ۳۹)

اور جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ان کے اعمال تو دشتِ دبے آب میں سراب

کی مانند ہیں جسے پیاسا پانی سمجھ لیتا ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ
بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ط لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا
عَلَى شَيْءٍ ط (ابراہیم: ۱۸)

جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کی روش اختیار کی ان کے اعمال کی مثال راکھ
(کے ڈھیر) کی سی ہے جسے آندھی کے روز ہوا لے اڑے۔ جو کچھ انہوں نے (اپنے نیک

اعمال کے ذریعے دنیا میں) کمایا ہے اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ط الَّذِينَ ضَلَّ
سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ
يُحْسِنُونَ صُنْعًا ط (الکہف: ۱۰۳-۱۰۴)

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ کیا ہم تمہیں ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے سب
سے زیادہ خسارے میں ہیں؟ (یہ) وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی

گیس اور وہ سمجھتے رہے کہ وہ بہت خوب کام کر رہے ہیں۔

مندرجہ بالا تشریحات سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا آغاز اسی دنیا میں ہو جاتا ہے۔ ایک صحیح العقیدہ اور نیکو کار مسلمان اسی دنیا میں اگلی زندگی میں ملنے والی جنت کے مسرت و آرام کا کچھ تجربہ حاصل کرنے لگتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک انسان سے تہی دست شخص دنیوی زندگی ہی میں دوزخ کی تکالیف اور سوزش کا مزہ چکھنے لگتا ہے۔ لیکن چونکہ ایک بندہ مومن دنیوی زندگی کے دوران اپنے نفس اور شیطان کے حملوں کے خلاف ہر وقت چوکس رہتا ہے، اس لیے وہ اپنے رب کی نعمتوں کو پورے طور پر اُخروی زندگی ہی میں دیکھنے کا۔ ایک کافر کی روش اس کے برعکس ہوتی ہے۔ وہ اپنے رویے میں صحیح نصب العین اور اس کے تقاضوں کی قطعاً پرواہ نہیں کرتا، چنانچہ اس کا عمل تقویٰ اور اخلاقی حدود کو پامال کر دیتا ہے۔ اور دنیا کی باتیں سمجھتا ہے۔

الدُّنْيَا سَجُنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔ (الحديث)

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔

تحلیلی نفسیات کی مثبت شہادت

تحلیلی نفسیات دان بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ہر انسانی عمل بشمول خواہشات، ہمارے لاشعور کا مستقل حصہ بن کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ متعدد تحلیلی نفسیات دان اس امر کا مدلل ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ ہر انسانی حرکت اور عمل کا ایک اثر اس کے ذہن اور خودی پر پڑتا ہے اور یہ ذہنی کیفیت او اثر اس کے لاشعور میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ امتدادِ زمانہ سے ان اثرات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان اثرات سے پتہ چلتا ہے کہ ذہن انسانی کا لاشعوری حصہ بالکل مختلف اصولوں کے تحت علیحدہ وجود رکھتا ہے اس میں بیک وقت متضاد نشاناتِ عمل محفوظ ہو سکتے ہیں اور وہ منطقی قوانین کے مطابق ایک دوسرے کو ختم نہیں کرتے بلکہ متضاد اور باہم مخالف اثرات اس میں ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں۔ اس حقیقت کا ثبوت کس سے بھی ملتا ہے کہ شعوری زندگی کے بعض انتہائی غیر

اہم اور بھولے بسرے واقعات کے ارتسامات بھی اس لاشعور میں محفوظ رہتے ہیں۔ حالانکہ شعوری زندگی میں ان کے وقوع پذیر ہوتے ہوئے ہم نے انہیں قطعاً اہمیت نہیں دی ہوتی لیکن یہی واقعات ہمارے ذہن کے پردے پر آکر خوابوں کا علامتی رُوپ دھار لیتے ہیں۔ اس حقیقت کا مزید ثبوت ہینٹنرم کے عمل سے ملتا ہے جس میں ہینٹنرم کا ماہر اپنے معمول پر نیم خوابی کی سی کیفیت طاری کر کے اس کے لاشعور میں گہری اتری ہوئی یادوں کو شعور کے سطح پر لے آتا ہے اور سوالات کے ذریعے ان کا اظہار کرواتا ہے۔ فرائد رقم طراز ہے۔

”اڈ“ (لاشعور) میں تصورِ زمان کے متبادل کوئی خیال نہیں ہوتا اور وقت کے گزرنے کے سلسلے میں بھی اس میں کوئی تصور نہیں ہوتا۔ ذہنی کیفیات کے آنے جانے میں بھی زمانی تغیر کا احساس اڈ میں جگہ نہیں پاتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے دہی ہوئی خواہشات کے لاشعور میں چلے جانے اور اس ضمن میں امتدادِ زمانہ کے غیر حقیقی ہونے کا بہت کم اور اک کیا ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ اس سے بہت سے حقائق کو سمجھنے کی کلید ہمارے ہاتھ آسکتی ہے۔ اگرچہ خود میں ابھی اس خیال کو مزید آگے نہیں بڑھا سکا ہوں۔

ان علمی تصریحات کی روشنی میں یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ انسان کے وجود کے کسی حصے میں (جس کا اسے شعور نہیں) اس کے تمام اعمال درج کیے جا رہے ہیں اور یہ ریکارڈ بالکل درست اور ہر دم خواہی خواہی اس کے ساتھ رہتا ہے۔ انسان کے اعمال کے ہر لحاظ ریکارڈ کی طرف قرآن کریم کے ان الفاظ میں اشارہ ہے:

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَلْعَ فِي عُنُقِهِ ط (بنی اسرائیل: ۱۳)

اور ہم نے ہر انسان کا صحیفہ عمل اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۖ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۖ
يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۖ (الانفطار: ۱۰-۱۲)

اور یقیناً تم پر (ہماری طرف سے) نگران مقرر ہیں، معزز لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو۔

ذہن انسانی کا لاشعوری حصہ دراصل اس کی شخصیت یا خودی ہے۔ کیونکہ جسے ہم شعوری ذہن کہتے ہیں وہ لاشعوری ذہن کا صرف ایک چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے۔ انسان کے جسم اور ذہن کی ساخت اور مادی اجزاء کی مسلسل تبدیلی کے باوجود اس کے لاشعور میں محفوظ اعمال کا ریکارڈ بغیر کسی کمی بیشی یا تبدیلی کے جاری رہتا ہے اور جیسا کہ ماہر نفسیات فرائڈ کا بھی خیال ہے یہ قدرت کا ایک نہایت اہم انتظام ہے۔ قرآن اسی حقیقت کے ضمن میں مندرجہ ذیل صراحتیں پیش کرتا ہے:

(ا) زمانی اور مکانی قوانین کا اطلاق صرف جسم انسانی پر ہوتا ہے۔ انسانی خودی (روح) جسم سے علیحدہ وجود رکھ سکتی ہے۔ صرف روح لافانی ہے۔

(ب) خودی کے حیات و نبوی کے اعمال کے نتائج مسرت و خوشی یا تکالیف اور شدائد کی شکل میں اگلی زندگی میں نکلیں گے۔

(ج) چاروں چیزوں کے نتائج کے ساتھ خودی کا استحکام یا ارتقاء حیات بعد الممات میں جاری رہے گا۔

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اس ضمن میں قابلِ غور ہیں۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا
أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ ط وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (المجادلہ: ۶)

اُس روز جب اللہ ان سب کو (جلا، اٹھائے گا، پھر انہیں جہنم لے گا جو کچھ وہ کرتے رہے۔ اللہ نے تو اسے (یعنی ان کے اعمال کو) شمار کر رکھا ہے اور وہ خود اسے بھول گئے ہیں۔ اور اللہ تو ہر چیز پر گواہ ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ
إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝ (المومنون: ۱۱۵)

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں (یونہی، بیکار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا ہے۔

وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ
رَبُّكَ أَحَدًا ۝ (الکہف: ۴۹)

اور جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا وہ سب (اپنے سامنے) موجود پائیں گے۔ اور تمہارا رب کسی پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کرتا۔

انسانی وجود کے لاشوری حصے میں اس کے کیے ہوئے تمام اعمال (خواہ کوئی عمل کتنا ہی چھوٹا اور کتنا ہی چھپ کر کیا گیا ہو) کا محفوظ ریکارڈ قیامت کے دن اس کی نگاہوں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ تاکہ وہ خود اس کو دیکھ لے اور اس کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جائے۔

وَكُلُّ اِنْسَانٍ اَلَزَّمْنَاهُ فِى عُنُقِهِ ط (بنی اسرائیل: ۱۳)

اور ہم نے ہر انسان کا صحیفہ عمل اس کے گلے میں لٹکا رکھا ہے۔
اس دن ہر شخص اپنے نام اعمال کو دیکھ کر اپنے انجام کو جاننے کے لیے کافی ہوگا۔

اِقْرَأْ كِتَابَكَ ط كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلٰىكَ حَسِيبًا ۝

(بنی اسرائیل: ۱۴)

پڑھ اپنا اعمال نامہ، آج تو خود ہی اپنے خلاف حساب کرنے والا کافی ہے!
قیامت کے دن جب ہر شخص اپنا نام اعمال دیکھے گا تو یہ جان کر ششدر رہ جائے گا کہ دنیوی زندگی کے دوران کیا ہوا انتہائی چھوٹا عمل بھی اس میں درج ہے اور یہ کہ کوئی عمل بھی اس سے باہر نہیں رہا۔ چنانچہ عالم حیرت میں کہن افسوس ملتا ہوا پکار اٹھے گا:
مَسَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً
اِلَّا اَخْطَا ج (الکہف: ۴۹)

یہ کیا نوشتہ ہے کہ اس نے نہ تو کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ ہی بڑی چیز کو، مگر سب کو شمار کر لیا ہے۔

خواہ کوئی عمل کتنا ہی چھوٹا اور اس کی دانست میں بے وقعت کیوں نہ ہو، اس روز اس کی جواب دہی اسے کرنا ہوگی اور مکافاتِ عمل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ لہذا آیت قرآنیہ:

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ
يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (الزلزال: ۸۰، ۸۱)

تو جس نے ذرہ بھرنیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھربرائی کی ہوگی تو وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

حیاتِ اخروی کی خواب کے تجربات سے مشابہت

حیاتِ اخروی کے تجربات کی نیند کے دوران خواب میں دیکھے جانے والے مناظر اور تجربات سے ایک درجے کی مماثلت ہے۔ خواب کے دوران انسان کا وہ شعور جو ان تجربات سے گزرتا ہے اس کے مادی جسم سے بالکل لاتعلق ہوتا ہے۔ انسان کا جنم نیند کی حالت میں بھرپور دورانِ حیات کے باوجود ہوتا ہے جبکہ انسانی شعور کسی اور غیر مرنی جسم کو استعمال کرتے ہوئے خواب میں مختلف تجربات اور احساسات کو محسوس کرتا ہے۔ اور ان تجربات سے متعلق غمی، خوشی یا خوف کے جذبات بتمام و کمال محسوس کرتا ہے اور اشیاء اور انسانوں کو دیکھتا اور ان کا بھرپور تجربہ حاصل کرتا ہے۔

خواب کے تجربات کے دوران انسانی خودی اپنے مادی حصے یعنی جسم سے کلیتاً منقطع ہوتی ہے۔ اس کی بعینہ یہی حالت موت کے بعد ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نیند کو موت سے مشابہ بیان کرتا ہے۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ
فِي مَنَامِهَا ۖ (الزمر: ۴۲)

وہ اللہ ہی ہے جو ان کی موت کے وقت رُوحیں قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی مرا نہیں اس کی رُوح نیند میں (قبض کر لیتا ہے)

فرق یہ ہے کہ خواب کے تجربات کا تعلق اکثر و بیشتر ہمارے مستقبل سے ہوتا ہے جبکہ اخروی زندگی ہمارے ماضی یعنی دنیوی کا عکس ہوگی۔ حیاتِ دنیوی کے جملہ تجربات و افعال جو ہمارے لاشعور میں محفوظ ہوتے رہتے ہیں، قیامت کے دن بالکل اسی طرح ہمارے

سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے جس طرح فلم کی ریل میں مناظر بند ہوتے ہیں اور اسے چڑوٹر میں لگا کر بعد میں کسی وقت تمام مناظر کو پروہسمیں پردیکھا جاسکتا ہے۔

حیات دنیوی میں خودی کے ارتقار کی اعلیٰ ترین سطح

جوں جوں ایک صاحب ایمان شخص کی صحیح نصب العین کے لیے محبت بڑھتی ہے، اسی قدر اسے اطمینان اور سرت کا احساس زیادہ ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات عبادت یا مراقبہ کے دوران اسے ایسی کیفیت کا احساس ہوتا ہے کہ گویا وہ حسن ازل کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے۔ اس کی صورت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے ایک لوہے کی سوئی مقناطیس کی طرف کشش کھینچتا ہے۔ کچھ شش میں بعض اوقات کشش ثقل سے بھی زیادہ کھچاؤ ہوتا ہے۔ اس روحانی تجربے میں جو لذت اور وجد کی کیفیت محسوس کی جاتی ہے کوئی دوسرا تجربہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کیفیت میں ایک سالک اپنے محبوب کا بلا واسطہ دیدار کرتا ہے اور اس کی خودی اس تجربے میں پوری طرح محو ہوتی ہے۔ اس مقام پر وجود باری تعالیٰ کی معیت کا احساس اس قدر پر کیف ہوتا ہے کہ کوئی بھی اس کیفیت سے نکلنا تکلیف دہ پاتا ہے لیکن حق تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول ہی کے لیے ایک صاحب ایمان اس روحانی تجربے سے باہر اگر زیادہ بہت اور عزم کے ساتھ خلق خدا کو اس صراطِ مستقیم پر لگانے کی کوشش کرتا ہے جس کا حکم اسے ملا ہے۔ دین حق کی یہ دعوت اس کے صحیح نصب العین کے ساتھ محبت کا ہمیشہ اہم جزو بنی رہتی ہے۔ مذکورہ بالا روحانی تجربے کے بعد ایک صاحب ایمان زیادہ شوق اور جذبے کے ساتھ دین حق کی سر بلندی کی جدوجہد میں لگ جاتا ہے۔ اگرچہ یہ روحانی تجربہ بڑا مختصر ہوتا ہے لیکن ایک مرد حق کو اس کا تجربہ مراقبہ اور عبادت میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔ اس تجربے کے اس کی آئندہ زندگی پر مندرجہ ذیل اثرات مرتب ہوتے ہیں:

- (۱) اسے دلی سرت و انبساط اور اطمینان قلب کی ایک کیفیت حاصل رہتی ہے۔ گویا اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے وجود اور اس کائنات کا راز پا گیا ہے اور ان کی معنویت اس پر عیاں ہو گئی ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ (الرعد : ۲۸)

وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ یاد رکھو، اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا (حم السجدة : ۲۰)

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر (اس پر) جمے رہے اُن پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (یہ کہتے ہوئے کہ) نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ۔

(۲) اس میں ضبطِ نفس اور خود شعوری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو چھوٹے سے چھوٹے گناہ اور معصیت سے بھی بچاتا ہے۔ اس کی خود آگاہی ترقی کی اعلیٰ ترین سطح پر پہنچ جاتی ہے۔

(۳) چونکہ اس کے ذہن و قلب میں خوف و شک کا کوئی شائبہ بھی نہیں رہتا اس لیے اس میں بے پناہ قوتِ عمل پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لیے کمر لیتا ہے۔ اس کی شخصیت ایک متحرک اور فعال شخصیت بن جاتی ہے اور وہ پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضیات نافذ کرنے کی بھرپور جدوجہد کرتا ہے۔ اقامتِ دین کے عظیم کام کے لیے وہ اپنے آپ کو نفسیاتی، اخلاقی اور علمی طور پر تیار کرتا ہے اور اپنے کردار کو خوب مضبوط بناتا ہے۔ اور یہ تمام صفات وہ اپنے اعلیٰ روحانی تجربے اور پاکیزہ باطنی کیفیات کی وجہ سے ہی حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

(۴) وہ ان اوامروں و نواہی پر سختی سے کاربند رہتا ہے جن پر عمل کے ذریعے ہی وہ خود آگاہی اور خدا شناسی کے اس بلند مقام تک پہنچتا ہے، جہاں وہ اس کی روحانی برکات سے متمتع ہوتا ہے۔ وہ حیاتِ دنیوی کے آخری دم تک تقویٰ اور خشیتِ الہی کی اس روش پر قائم رہتا ہے۔

(۵) چونکہ اس کے مقاصدِ حیات اپنے خالقِ حقیقی کے مقاصد کے ساتھ مکمل طور پر مطابقت

اختیار کر لیتے ہیں اس لیے اس کی مرضی اور ارادے میں حق تعالیٰ کی مشیت شامل ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کے اعضاء و جوارح سے وہی افعال انجام پاتے ہیں جو خالق حقیقی کو پسند ہوتے ہیں۔

خالق حقیقی کا بلا واسطہ مشاہدہ - (احسان)

کیا ذات حق تعالیٰ کا بلا واسطہ مشاہدہ اور دیدار ممکن ہے؟

اس سوال کا جواب اس صورت میں زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے جب ہم اپنے ارد گرد پھیلی ہوئی اشیاء کے ادراک و مشاہدے کے عمل کو سمجھ لیں۔ خارجی شے سے آنے والی روشنی کی شعاعیں جب ہماری آنکھ کے پردے پر پڑتی ہیں تو پتی سے گزرنے کے بعد وہ اس شے کا عکس آنکھ میں بناتی ہیں۔ اس عکس کی تصویر کی جس بصری شہابیوں کے ذریعے ذہن تک پہنچانی جاتی ہے جہاں سے ہمارا شعور اس شے کا ادراک حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ بصارت کے عمل میں آخری اہم اور فعال عنصر ہماری خودی ہے اور مشاہدے کی اصل حقیقت خودی یا ذہن انسانی کا تصوراتی عمل ہے۔ اس تصور کے بعض اجزاء مثلاً رنگ اور وضع قطع کی صفات میں بعض اجزاء ذہن انسانی کی فعالیت کے زیر اثر شامل کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ شے مدرک دراصل خارج میں موجود شے نہیں ہوتی بلکہ متعدد شعور پر مشتمل تصور ہوتا ہے۔ ذہن، بصری شہابیوں اور روشنی کا کام اس پورے عمل میں معاون کا ہوتا ہے جس سے شعور کو اس تصور کی جملہ صفات کا علم ہوتا ہے۔ جب ایک شعور کو یہ علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ ان واسطوں کے بغیر بھی اس تصور کو قائم کر سکتا ہے۔ شے کی صفات کا علم جتنا زیادہ اور واضح ہوگا بغیر حواس کا تصور بھی اتنا ہی زیادہ صاف اور واضح ہوگا۔ جب مسلسل اخلاقی پابندی اور مذہبی مراقبے سے ایک صاحب ایمان کی صحیح نصب العین کے لیے محبت انتہائی بڑھ جاتی ہے اور خالق حقیقی کی صفات عالیہ کا تصور بہت واضح ہو جاتا ہے تو لمبا اوقات حالت مراقبہ میں اس پر ان صفات کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اس کے شعور پر پورے طور پر چھا جاتی ہیں۔ اس قلبی کیفیت میں وہ اپنے خالق حقیقی کو بالکل اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح دنیا میں موجود کسی شے کو دیکھا جاتا ہے۔ یہ روحانی تجربہ الفاظ کی گرفت میں نہیں آسکتا

اور بالخصوص ان لوگوں کے لیے اس کی تفسیر بہت مشکل ہوتی ہے جنہیں خود اس تجربے سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔

ایک صاحب ایمان کی روحانی ترقی کی اس منزل کو جس پر اسے عرفانِ حق حاصل ہوتا ہے، احسان کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اسی کا حوالہ ان الفاظ میں آیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

بے شک اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احسان کی تعریف اس طرح کی ہے:

الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ (الحديث)

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔

بے شک خداوند ہی عینِ زیادہ گہری ہوتی ہے اسی قدر حقیقتِ مطلقہ کا مشاہدہ زیادہ واضح

ہوتا ہے اور روحانی سرور بھی اسی تناسب سے حاصل ہوتا ہے۔ نبی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں پہلے باری تعالیٰ کا بلا واسطہ مشاہدہ کرایا جائے تاکہ بعد میں وہ اس تسبیح پر ایمان لائیں حالانکہ یہ صرف حکمِ عدولی اور ایمان نہ لانے کا ایک بہانہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایمان اور اطاعت کی سخت مشقتوں سے گزر کر ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ اسے حق تعالیٰ کا بلا واسطہ مشاہدہ حاصل ہو۔ چنانچہ انہیں اپنے نامعقول مطالبے کی سزا جھگڑتی پڑی۔

جاری ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ تَعْلَمُ الْقُرْآنَ عَلَيْهِ